ڈاکٹر سید عامر سہیل
استاد شعبہ اردو، سرگودہا یونیورسٹی، سرگودہا

'فسانہ آدم': ایک نادر قلمی دستاویز

Dr Sayed Amir Sohail
Department of Urdu,
University of Sargodha, Sargodha

"Fasana e Adam": A Rare Manuscript

Majeed Amjid is the most significant of modern Urdu poets. He was born in 1914 and died 1974. He presented the social, cultural, political, philosophical and psychological subjects in his poetry. He also made science and astronomy as subjects of poetry in a creative way. Majeed Amjid started to write a book on astronomy but due to some reasons he could not complete this book. The title of this incomplete book is FASANA-E-ADAM. This research article is an overview of his poetry and specially that poetry which represents the scientific consciousness. The manuscript of FASANA-E-ADAM is also presented first time in this article.

جدید اردو شاعری میں جو تخلیقی منطقے دریافت کیے گئے ہیں اُن میں نامعلوم دنیاؤں کی تلاش، سائنسی شعور کی جہتوں اور مطالعۂ کائنات کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ شعری عمل میں ان سوالات کی نوعیت اگرچہ بالواسطہ رہی ہے تاہم شعرا کے تخیل میں نامعلوم دنیائیں پروان چڑھتی اور لفظ کا روپ دھارتی رہی ہیں۔ شاعری اور سائنس کی ہم رشتگی اور باہمی انسلاکات کا سفر اگرچہ دو متضاد فکری دھاروں کی خبر دیتا ہے تاہم جدید تر سائنسی ترقی نے اس بُعد کو بہت حد تک کم کر دیا ہے کہ آج سائنس اپنی اعلیٰ ترین منہاج میں ایک وجدانی عمل کی شکل اختیار کرتی نظر آتی ہے۔ سائنس نے اپنے سفر کے آغاز میں جو مقدمات قائم کیے تھے ان پر خود سائنس اور علمی ترقی نے سوالیہ نشان قائم کر دیے ہیں اور ٹھوس حقیقتیں لامتناہی تجریدی اشکال میں منقلب ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اس طریقہ کار کے تحت جدید سائنسی علوم اور تخلیقی عمل میں ایک ایسے تعلق نے جنم لیا ہے جس کے تحت نئے مقدمات کی بنیاد رکھی گئی ہے نیز آج ہر شعبہ ہائے زندگی ان مقدمات اور سوالات کی زد میں ہے اور حقیقت کے ٹھوس اور حتمی تصور کی شکست نے نئے امکانات کے در وا کر دیے ہیں۔ حقیقت اور تجرید کی اس لامتناہی تقلیب کا طریقہ کار کیا ہے یا کیا ہونا چاہیے، یہ نکتہ اس مضمون کے دائرہ بحث سے باہر ہے تاہم یہ ہم رشتگی نئے امکانات کا پیش خیمہ ضرور ہے۔

سائنسی مطالعات میں علم فلکیات (Astronomy) کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔مشاہدۂ کائنات کے تحت کئی سوالات درپیش ہیں مثلاً یہ کائنات کیا ہے، کب اور کس طرح تخلیق ہوئی؟ اس کی وسعت اور حدود اربعہ کیا ہے؟ اس کائنات کے اجزائے ترکیبی کون کون سے ہیں؟ وغیرہ ایسے بہت سے سوالات پر صدیوں سے غور وفکر ہو رہا ہے۔اس ضمن میں ان سوالات کے بے شمار جوابات پیش کیے گئے۔سائنسی ارتقا کے ساتھ ساتھ یہ امکان بھی ظاہر کیا گیا کہ اس کائنات کی وسعت کا تعین کیا جا سکتا ہے اور اس کی تخلیق کے حتمی نظریے تک رسائی ممکن ہے تاہم یہ تصور آج بظاہر ایک لاحاصل خواہش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ فلکیات کے وسیع تر علوم، جدید تر نظریات اور اعلیٰ ترین آلات کے بعد جو بات سامنے آئی ہے کہ بنتی، پھیلتی اس کائنات کی وسعت اور حدود کو ریاضیاتی اور نظریاتی سطح پر بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا اور یہی تغیر پذیری ہی کائنات میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔

علمِ فلکیات کے بہت سے قدیم تصورات اور نظریات تا دیر رائج رہے ہیں اور ان میں موجود ماورائیت کی مختلف سطحیں بنتی بگڑتی رہی ہیں۔اساطیری تصورات سے لے کر مذہبی تصورات اور غیر سائنسی نظریات تک کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا اور آج بھی یہ تصورات انسانی تقدیر کے مسائل، کارکردگی اور پیش بینی سے جڑے ہوئے ہیں تاہم مابعدالطبعیاتی، غیر منطقی اور غیر سائنسی تصورات پر جدید سائنسی تحقیق نے کاری ضرب لگائی ہے۔

ہماری کلاسیکی اردو شاعری میں بھی ان اساطیری تصورات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔رات دن ستاروں کی گردش کچھ نہ کچھ ہونے کا عندیہ دیتی ہے، شاعر کا آسمان سے گلہ کرنا جو تکمیلِ عشق کی راہ میں رکاوٹ ہے یا پھر لمحۂ وصل کی معراج کو ماہ و مشتری کے قران کا باعث قرار دینا۔غرض ہمارے کلاسیکی شعرا نے فلکیات اور اس سے متعلق قدیم مسلمات واصطلاحات کو اپنے تخلیقی تجربے کا حصہ بنایا ہے۔اس کے برعکس جدید شاعر نے فلکیات کی سائنسی معراج کو مدِ نظر رکھا۔اگرچہ شاعری میں براہ راست اس کی مثالیں کم کم نظر آتی ہیں تاہم اس حوالے سے سائنسی شعور کے نئے امکانات واضح ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ شاعری اور سائنسی شعور کے باہمی انسلاکات کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ

- ایک شاعر کا زرخیز تخیل، اس کائنات کی طرح وسعت پذیر اور تعینات کے دائرے سے باہر ہے۔
- یہ کہ تخلیقی عمل کی پیچیدگی اور کائنات کی پراسراریت میں ربطِ باہم تلاش کیا جا سکتا ہے۔
- یہ کہ شاعر بھی ہر لمحہ اَن دیکھے جہانوں کی تخلیق اور تجسیم کرتا ہے جیسا کہ ہر لمحہ کائنات میں وارداتِ تخلیقی وقوع پذیر ہوتی رہتی ہے۔
- یہ کہ شعری عمل اور وسعتِ کائنات درحقیقت حیرتوں کا جہاں ہے۔
- اور یہ کہ شاعر کا تخیل اور مشاہدۂ کائنات دونوں ہی لامتناہی تجرید کی تجسیم کرنے کا نام ہیں۔وغیرہ

مجید امجد (۲۹ر جون ۱۹۱۴ء۔۱۱ر مئی ۱۹۷۴ء) کا شمار بھی جدید اردو شاعری کے ان شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے بہت سے متنوع موضوعات کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ان کا شعری سفر تجرید سے تجسیم اور تجسیم سے تجرید، ہر دو مخالف سمتوں میں دکھائی دیتا ہے۔ایک طرف تو وہ اَن دیکھے جہانوں کا نقشہ کھینچتے ہیں تو دوسری طرف زندگی کے ٹھوس حقائق رفتہ رفتہ ایک تجریدی کیفیت میں تبدیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔بالخصوص ان کے آخری دور کی نظمیں تجرید وتجسیم کے تسلسل کی آئینہ دار ہیں۔یہ نظمیں معنی کی نئے سے نئے امکانات کی حامل ہیں جہاں کوئی حقیقت قطعی نہیں بلکہ ہر حقیقت اپنے بطون میں کئی حقیقتوں کو لئے ہوتی ہے۔یہی تجرید وتجسیم کا عمل ان کی شاعری میں پراسراریت اور حیرت کا عکاس ہے۔

مجید امجد کے آخری دور (۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۴ء) کی شاعری فرد، سماج، خدا، کائنات، رویوں، رشتوں اور انسانی حیرتوں کی داستان ہے۔ان نظموں میں ان کی ذات میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اپنے معروض میں ہونے والی تبدیلیوں سے

بہت حد تک ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرتی ہیں یعنی معروض میں جو بھی معمولی یا غیر معمولی واقعہ پیش آتا ہے وہ ان کی تخلیقی ذات کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ انسانی رویوں اور رشتوں کی دردناک دل پذیری سے اوپر اٹھ کر بھی ان کے یہاں بعض نئے افکار اثر انداز ہو رہے ہوتے ہیں۔ خلا میں انسان کی چہل قدمی اور چاند تک رسائی ہو، خوردبین کے نیچے ہزاروں جانداروں کی غیر محسوس موجودگی ہو، آغازِ کائنات کی تصویر کشی ہو یا پھر جدید سائنس کی مابعد الطبعیات ہو، سبھی حوالے کسی نہ کسی طرح انھیں متاثر کرتے ہیں۔ تاہم علمِ فلکیات ایک ایسا موضوع ہے جس میں ان کی دلچسپی بہت نمایاں انداز میں نظر آتی ہے۔ وہ فلکیات کے سائنسی تصور کے دلدادہ ہیں اور اس حوالے سے اٹھائے گئے اہم ترین سوالات کو تخلیقی سطح پر بیان بھی کرتے ہیں۔

علمِ فلکیات سے مجید امجد کی دلچسپی ان کے گہرے مطالعہ کی غماز ہے۔ گورنمنٹ کالج ساہیوال میں 'گوشۂ مجید امجد' کے نام سے ان کی بچی کھچی جو کتابیں موجود ہے ان میں اس موضوع سے متعلق چند کتب دیکھی جا سکتی ہیں۔ راقم نے پنجابی زبان کے پروفیسر علی ارشد میر کے پاس مجید امجد کی ذاتی کتب کا بڑا ذخیرہ دیکھا تھا جن میں فلکیات کے موضوع پر اہم انگریزی کتب بھی شامل تھیں۔ ان کتب سے مجید امجد کی علمِ فلکیات سے دلچسپی اور گہرے شغف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمد امین کا خیال ہے کہ مجید امجد کو علمِ نجوم سے دلچسپی تھی، وہ خلائی علوم کا مطالعہ بھی کرتے رہتے تھے اس لیے ان کے یہاں کائنات کی وسعت اور لامحدودیت کا احساس پایا جاتا ہے۔ [۱]

علمِ فلکیات کے حوالے سے مجید امجد کی شدید خواہش تھی کہ وہ اس موضوع پر باقاعدہ ایک کتاب تحریر کریں۔ انھوں نے اپنے مطالعہ کو بروئے کار لا کر لکھنے کا کام بھی شروع کر دیا تھا لیکن بہت جلد انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا کہ ان کے خیال میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ تاہم ان کا تحریر کردہ مختصر ابتدائی مسودہ وقت کے ہاتھوں محفوظ رہا۔ شاید یہ وہی مسودہ ہے جس کا اشارہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے اپنے مضمون میں کیا تھا:

> ''مجید امجد نے کائنات کے بارے میں ایک کتاب نثر میں لکھنی شروع کی تھی اگر چہ وہ نامکمل رہ گئی تھی لیکن وہ اپنی کسی چیز کو ضائع نہیں کرتے تھے اس لیے مجھے یقین ہے کہ اس کا مسودہ بھی ان کے دوسرے مسودات کی طرح ان لوگوں کے پاس ہوگا جن کے پاس ان کے دوسرے مسودات ہیں۔'' [۲]

باقی مسودات کا مکمل علم تو نہیں تاہم فلکیات کے موضوع پر شروع کیا گیا نامکمل مسودہ راقم کے پاس محفوظ ہے۔ راقم کو مذکورہ مسودہ اور چند دیگر مسودات پروفیسر قیوم صبا (سابق پرنسپل، گورنمنٹ کالج، ساہیوال) کے ذریعے ۲۰۰۱ء میں حاصل ہوئے تھے۔ [۳] تاہم ان کاغذات میں وہ مسودات شامل نہیں جن کی تفصیل ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے ''کلیاتِ مجید امجد'' کے دیباچے میں دی ہے۔ [۴]

(۲)

علمِ فلکیات کے حوالے سے مذکورہ مسودہ اوّل تا آخر بائیس (۲۲) فل سکیپ صفحات پر مشتمل ہے۔ چونکہ مجید امجد کا ارداہ مکمل کتاب لکھنے کا تھا اس لیے انھوں نے اسے ''فسانۂ آدم'' کا عنوان دیا۔ یہ مسودہ کب تحریر کیا گیا، اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر چہ مجید امجد کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے تحریروں پر تاریخ اور سن ضرور ڈالا کرتے تھے، اُن کی ہر مکمل و نامکمل نظم پر تاریخ اور سن موجود ہوتا تھا مگر اس کتاب کو تحریر کرتے وقت انھوں نے تاریخ اور سن نہیں لکھا۔ تاہم اس مسودے میں فلکیات کے حوالے سے جو معلومات درج کی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تمام معلومات ان کی طویل نظم ''نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب'' (کلیات: ص: ۲۵۳) کی تخلیق میں مددگار ثابت ہوئی ہوں گی۔ یہ نظم مجید امجد نے ۲۰ / اکتوبر ۱۹۵۴ء میں تخلیق کی تھی لہٰذا ممکن ہے یہی سال اس مسودے کی تیاری کا سال ہو۔

یہ مسودہ مجید امجد کے اپنے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔ صفحہ اوّل پر موٹے قلم اور سیاہ روشنائی سے ''فسانۂ آدم'' تحریر کیا گیا

ہے۔ دوسرے، تیسرے اور چوتھے صفحے پر بالترتیب حرفِ اوّل، فہرست ابواب اور فہرست تصاویر کے عنوانات پن اور سیاہ روشنائی میں لکھے گئے ہیں مگر ان صفحات پر ان کی تفصیل موجود نہیں۔ مسودے کا باقاعدہ آغاز صفحہ نمبر پانچ سے ہوتا ہے، جس پر موٹے قلم اور سیاہ روشنائی سے 'باب' کا عنوان درج ہے جبکہ اس کے نیچے سیاہ روشنائی اور پن سے سترہ سطریں لکھی گئی ہیں۔ یہ تحریر صفحہ نمبر چھ پر جاری رہتی ہے جس پر کل ستائیس سطریں درج ہیں۔ صفحہ نمبر سات پر 'زمین' کا عنوان ہے مگر اس کے زیرِ تحت کچھ لکھا نہیں گیا یعنی باقی صفحہ خالی ہے۔ صفحہ نمبر آٹھ پر دو متوازی خطوط کے درمیان 'نظامِ شمسی' کا عنوان درج ہے۔ اس کے نیچے 'چاند' کا ذیلی عنوان ہے جس میں چاند سے متعلق معلومات بیان کی گئی ہیں۔ اس معلومات کے ساتھ ایک ڈئیگرام بھی بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد 'سورج' کا ذیلی عنوان ہے اور سورج سے بارے میں بنیادی معلومات کا اندراج ہے جو صفحہ نمبر نو تک جاتا ہے۔ اسی صفحہ پر 'مشتری' کی مکمل تفصیل ہے مگر یہاں وہ بھول کر مشتری کو انگریزی میں Mercury لکھ گئے ہیں۔ اسی صفحہ پر 'زہرہ' کی تفصیلات ہیں جو صفحہ نمبر دس تک جاتی ہیں۔ صفحہ نمبر دس پر 'مریخ' کا ذیلی عنوان ہے جبکہ صفحہ نمبر گیارہ پر مریخ کے چاند Satellites of Mars یعنی 'فابوس' اور 'دائموس' کی تفصیلات ہیں۔ اسی صفحہ پر 'عطارد' کا ذیلی عنوان ہے جس کا ذکر صفحہ نمبر بارہ تک جاتا ہے۔ یہاں وہ بھول کر عطارد کو انگریزی میں Jupiter لکھ گئے ہیں۔ اسی صفحہ پر 'زحل' کا ذکر ہے۔ صفحہ نمبر تیرہ پر 'ارناؤس'، 'ناپطون' اور 'پلوطو' کی تفاصیل ہیں۔ صفحہ نمبر چودہ پر 'ستارے، ستارچے، دمدار ستارے اور شہابِ ثاقب' کے ذیلی عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔ صفحہ نمبر پندرہ پر 'نظامِ شمسی سے باہر کی دنیا' کا عنوان اور تفصیلات درج ہیں۔ صفحہ نمبر سولہ پر 'ستاروں کی دیگر اقسام' کا ذیلی عنوان ہے۔ اس کی تفصیل میں کئی ضمنی عنوانات آتے ہیں مثلاً (i) دوگانہ، سہ گانہ، چہار گانہ (ii) گہنائے ہوئے ستارے (iii) دیر تک بدلے رہنے والے ستارے (iv) بے قاعدگی کے ساتھ بدلنے والے ستارے (یہاں سے صفحہ نمبر سترہ کا آغاز ہوتا ہے) (v) مسلسل تبدیلیوں والے ستارے (vi) عارضی ستارے۔ یہاں نیلی روشنائی کا استعمال کیا گیا ہے۔
صفحہ نمبر سترہ پر 'کہکشائیں' کا عنوان اور تفصیلات کا آغاز ہوتا ہے جو صفحہ نمبر اٹھارہ، انیس اور بیس تک جاتا ہے۔ صفحہ نمبر انیس کو سیاہ روشنائی میں لکھا گیا ہے۔ صفحہ نمبر اکیس پر 'آغازِ اجرامِ فلکی' کا عنوان درج ہے جس کے تحت پانچ نظریات کا مختصر ترین ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں خلاصہ درج ہے۔ صفحہ نمبر بائیس پر 'اصطلاحیں جن کے اردو ترجمے مطلوب ہیں' کا عنوان ہے۔ جس میں انیس اصطلاحوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ہر عنوان یا ذیلی عنوان کے تحت جو معلومات درج کی گئی ہیں ان کے متعلق ضروری ڈئیگرام بھی ساتھ ساتھ بنائے گئے ہیں۔

''فسانۂ آدم'' کا مسودہ فلکیات کے حوالے سے بالخصوص اور سائنسی شعور کے حوالے سے بالعموم مجید امجد کے تخلیقی اور تحقیقی ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ اگرچہ زیادہ تر معلومات سائنسی اور تحقیقی نوعیت کی ہیں جو یقیناً اس موضوع کے اہم کتب سے حاصل کی گئی ہیں تاہم 'باب' کے عنوان سے جو دو صفحات انھوں نے تحریر کیے ہیں وہ ان کے داخلی مزاج کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔ مجید امجد کو کائنات کی ابتدا اور زمین پر انسانی زندگی کے ارتقا کی کہانی سے خاصی دلچسپی تھی، وہ کائنات کے بارے میں جدید ترین معلومات رکھتے تھے، جدید سائنس نے ستاروں کی زندگی اور ان کے مرنے کے بعد کائنات کے پھیلتے چلے جانے کا ذکر کیا ہے وہ معلومات مجید امجد کے ذہن کا حصہ رہی ہیں۔ اس حوالے سے چند اہم اقتباسات ملاحظہ کریں:

> ''یہ دنیا، یہ خشکیوں، پانیوں، پہاڑوں، ریگ زاروں، درختوں، دریاؤں، وادیوں، چٹانوں کا گہوارہ، جس میں نسلِ انسانی جھول رہی ہے۔ جس پر ہم چلتے پھرتے رہتے سہتے ہیں، کون جانے کب سے اس مہیب، لامحدود، نیلگوں فضا کے اندر مصروفِ گردش وسفر۔ اور کتنی عظیم تبدیلیوں اور کتنے زمانوں کے الٹ پھیر کے بعد اس قابل ہوئی کہ نوعِ انسانی کے اوّلین افراد اس کی برفیلی غاروں کے اندر اپنے دونوں اگلے پیروں سے اپنے بدن کا بوجھ ہٹا کر اپنے دونوں پاؤں پر استادہ ہوسکیں اور اپنے بھونڈے ہاتھوں سے ہڈی اور پتھر سے

اپنے بھدے اوزار گھڑ سکیں۔(۵)

''آج ہم جانتے ہیں کہ دنیا، یہ ہمارا کرہ ارض متحرک ہے۔ گردش میں ہے۔ آج ہم مختلف دیگر عالموں، تاروں اور سیاروں اور زمانوں کے فاصلوں اور فضاؤں کی لامحدودیت اور محدود لامحدودیت کے متعلق بہتر اور زیادہ درست واقفیت رکھتے ہیں۔ آج ماہرینِ فلکیات مختلف اجرامِ آسمانی کی ہیئت، مقام، دوری، رفتار اور ماہیت کے مختلف حیران کر دینے والے انکشافات کر چکے ہیں کہ اِن کی روشنی میں ساری دنیا کی حیثیت ایک وسیع و مدور خلا کے اندر ایک حقیر سے نقطے سے بھی زیادہ غیر اہم ہو کر رہ گئی ہے۔۔۔۔۔ سورج بھی اور لکھوکھا ستاروں کی طرح اس خلائے بسیط میں ایک عام ستارہ ہے۔''(۶)

''ہر ستارے کی ابتدا ایک عظیم (Globe of Gas) گیس کے بڑے بلبلے سے ہوتی ہے جو سکڑتا ہے تو اس کے بطن میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کے پھیلنے اور سکڑنے کا مسلسل عمل جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جب اس کا ٹمپریچر بڑھ جاتا ہے اور اس کی تابانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سارے عمل کے دوران میں ستارہ اپنے جسم کو مسلسل روشنی اور قوت میں تبدیل کرتا رہتا ہے اور بالآخر ختم ہو جاتا ہے۔''(۷)

اس طرح کی بہت سی مثالیں مسودے سے دی جا سکتی ہیں جو کائنات کے بارے میں مجید امجد کے گہرے مطالعے، شعور اور دلچسپی کو ظاہر کرتی ہیں نیز اس مسودے میں بہت سے ایسے اشارے موجود ہیں جو ان کی نظموں کی تخلیق کا باعث بنے ہیں۔

(۳)

''فسانۂ آدم'' سے مجید امجد کی علمِ فلکیات سے گہری دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ اس تناظر میں ان کی شاعری کا مطالعہ بھی خیال افروز ہوگا۔ ان کی نظم ''۱۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر'' ان کی دلچسپی کی مظہر ہے۔ ۱۹۴۲ء میں لکھی گئی نظم میں مجید امجد ۲۹۴۲ء یعنی ایک ہزار سال کے بعد کی دنیا کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ یہ نظم سائنسی فسانے کی طرز پر لکھی گئی ہے جس میں کرۂ ارض کو ایک محافظ ستارے کی طرف سے خبر ملتی ہے کہ ملکِ مریخ نے چاند پر حملہ کر کے تباہی مچا دی ہے۔ اس نظم کے حوالے سے ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں:

''مستقبل شناسی کے حوالے سے مجید امجد کی اہم ترین نظم ''۲۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر'' ہے۔ یہ نظم ۱۸/جولائی ۱۹۴۲ء کو لکھی گئی۔ میری محدود معلومات کے مطابق ۱۹۴۲ء میں ہمارے یہاں خلا کے بارے میں بہت کم معلومات میسر تھیں۔ مغرب کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی خلائی علوم ابھی اتنے زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھے۔ لوگوں کے ذہنوں میں سیاروں کی جنگ کا تصور نہیں تھا۔ یہ ابھی حال ہی کا تصور ہے، مجید امجد کے تخلیقی تخیل کا کمال دیکھیے کہ انھوں نے ۱۹۴۲ء میں نظم کی صورت میں یہ تصور پیش کیا۔''(۸)

اک محافظ ستارے نے کل شام — کرۂ ارض کو خبر دی ہے
ملکِ مریخ کے لٹیروں نے — وادیٔ مہ تباہ کر دی ہے
جادۂ کہکشاں کے دونوں طرف — گھاٹی گھاٹی لہو سے بھر دی ہے
آج انھوں نے نظامِ عالم کو — دعوتِ آتش و شرر دی ہے
آن پہنچی ہے امتحان کی گھڑی — خاکیو! وقتِ پائے مردی ہے
یہ تمھیں نے ہی بزمِ انجم کو — تابشِ سلکِ صد گہر دی ہے
یہ تمھیں نے متاعِ نور اپنی — مشتری کو بھی مشت بھر دی ہے

آب اور گل کے اک کھلونے کو   شانِ دارائی بشر دی ہے
پھاند جاؤ حدیں زمانوں کی
تھام لو باگ آسمانوں کی(۹)

کلیات میں شامل ایک نظم ''راتوں میں.....'' کائنات کے آغاز، ارتقا اور وقتِ تخلیق کا نقشہ کھینچتی ہے۔ دھویں کے بادل، پگھلتی چٹانیں، ٹوٹتے تاروں کی لاشیں، آب و گل کی دلدل میں سنائی دینے والی زندگی کی چاپ، تھرکتی ہوئی تخلیق کی دھڑکنیں اور قرن آلود مسافتیں کائنات کی ابتدا اور ارتقا کا منظر پیش کرتے ہیں۔

جب سوچتا ہے، کیا دیکھتا ہے، ہر سمت دھوئیں کا بادل ہے
وادی و بیاباں جل تھل ہے
ذخار سمندر سوکھے ہیں، پُر ہول چٹانیں پگھلی ہیں
دھرتی نے ٹوٹتے تاروں کی جلتی ہوئی لاشیں نگلی ہیں
پہنائے زماں کے سینے پر اک موج انگڑائی لیتی ہے
اس آب و گل کی دلدل میں اک چاپ سنائی دیتی ہے
اک تھرکن سی، اک دھڑکن سی، آفاق کی ڈھلوانوں میں کہیں
تانیں جو ہمک کر ملتی ہیں، چل پڑتی ہیں، رکتی ہی نہیں
ان راگنیوں کے بھنور بھنور میں صد ہا صدیاں گھوم گئیں
اس قرن آلود مسافت میں لاکھ آبلے پھوٹے، دیپ بجھے
اور آج کسے معلوم، ضمیرِ ہستی کا آہنگِ تپاں
کس دُور کے دیس کے کہروں میں لرزاں لرزاں رقصاں رقصاں
اس سانس کی رو تک پہنچا ہے۔(۱۰)

نظم ''نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب'' اس موضوع پر کلیات میں شامل سب سے اہم ترین اور طویل ترین نظم ہے۔ یہ نظم جدید اردو نظم نگاری میں اپنی فکری اور فنی خصائص کی بنا کر اہم درجہ رکھتی ہے۔ نظم میں پھلتی ہوئی کائنات کو وقت اور غم کے بے انت سمندر کے ساتھ تخلیقی سطح پر جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر لمحہ بدلتی اور پھیلتی کائنات شاعر کے داخل اور خارج میں اپنی حیرتیں بکھرتی دکھائی دیتی ہے۔

نظم کا آغاز زندگی میں غم اور لاحاصلی کی کہانی کے ساتھ ہوتا ہے جو وقت کے بہتے دھارے کے ساتھ ساتھ ترتیب پا رہی ہے۔ تخلیق سے پہلے اور تخلیق کے بعد کا ایک تسلسل ہے جہاں ایک جادۂ نورانی پر اندھیرے سائے بھی منڈلاتے ہیں جو انسانی غم، تنہائی، موت، کرب اور وقت کی ہمہ گیر پراسراریت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ نظم متنوع موضوعات کو ایک ساتھ لے کر چلتی ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ ''فسانۂ آدم'' ہی اس نظم کی تخلیق کا اصل محرک ثابت ہوا تو غلط نہ ہوگا۔ زمین، مریخ، سورج، دائموس، فبیوس، ارناؤس، پلوطو وغیرہ کے بارے میں تخلیقی اور سائنسی بنیاد نظم اور ''فسانۂ آدم'' میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے۔

کیا کہوں، کتنے غموں، کتنے غموں کی شکن آلود بساط!
وقت کے گھومتے زینوں پہ مرے رکتے ہوئے قدموں کے سات
کس طرح بجھتی لپٹتی ہی چلی آئی ہے
کیا بتاؤں یہ کہانی بڑی طولانی ہے

جس طرح ایک سہارے کی تمنا میں کسی ٹوٹتے تارے کی حیات
مہ وانجم کے سفینوں کی طرف اپنے بڑھائے ہوئے ہات
خمِ افلاک سے ٹکرا کے بھسم ہو جائے
(ان خلاؤں میں کسے تابِ پر افشانی ہے)(۱۱)

نظم ''بس اسٹینڈ پر'' بھی انسان کی ارتقائی منزلوں کے حوالے سے اٹھائے گئے سوالات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بس اسٹینڈ پر کھڑا آدمی حیاتِ انسانی کی پہیلی کو حل کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ بظاہر وہ بس کے انتظار میں کھڑا ہے تاہم وہ انسان اور اس کے ارتقا پر غور وفکر کر رہا ہوتا ہے۔

مگر توبہ، مری توبہ، یہ انساں بھی تو آخر اک تماشا ہے
یہ جس نے پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہونا بڑے جتنوں سے سیکھا ہے
ابھی کل تک، جب اس کے ابروؤں تک موئے پیچاں تھے
ابھی کل تک، جب اس کے ہونٹ محرومِ زنخداں تھے
ردائے صد زماں اوڑھے، لرزتا، کانپتا، بیٹھا
ضمیرِ سنگ سے بس ایک چنگاری کا طالب تھا۔(۱۲)

نظم ''ایک شام'' (ص۴۰۲) میں پگھلی ہوئی بے جسم سلاخیں، نظم ''نیلے تالاب'' (ص۴۶۱) میں نیل گگن کی ٹینکی اور سات سمندر سات بھرے ٹب اور نظم ''بھائی کوسیجن اتنی جلدی کیا تھی'' (ص۴۷۵) میں تین کرے اور تین زمانے وغیرہ ایسے حوالے ہیں جو مجید امجد کے سائنسی طرزِ فکر اور شعور پر دال ہیں۔ نظم ''مرے خدا مرے دل'' میں بھی مجید امجد نے چٹانیں پگھلنے اور ستاروں کے ملنے کو ان گنت سورجوں کی تخلیق کا عمل بتایا اور اگر اسے مجید امجد کے ''فسانۂ آدم'' کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو ان مصرعوں کی معنویت دو چند ہو جاتی ہے۔

ترے ہی دائرے کا جزو ہیں وہ دور کہ جب
چٹانیں پگھلیں، ستارے جلے، زمانے ڈھلے
وہ گردشیں جنھیں اپنا کے ان گنت سورج
ترے سفر میں بجھے تو انھی اندھیروں سے
دوام درد کی اک صبح ابھری، پھول کھلے
مہک اُٹھی تری دنیا، مرے خدا مرے دل(۱۳)

نظم ''دوام'' میں کڑکتے زلزلے اور قیامت کا سماں درحقیقت ایک ستارے کے اختتامی صورتِ حال کی کہانی ہے:

کڑکتے زلزلے امڈے، ملک کی چھت گری، جلتے نگر ڈولے
قیامت آ گئی سورج کی کالی ڈھال سے ٹکرا گئی دنیا
کہیں بجھتے ستاروں، راکھ ہوتی کائناتوں کے
رکے انبوہ میں کروٹ، دوسایوں کی
کہیں اس کھولتے لاوے میں بل کھاتے جہانوں کے
سیہ پشتے کے اوجھل، ادھ کھلی کھڑکی،
کوئی دم توڑتی صدیوں کے گرتے چوکھٹے سے جھانکتا چہرہ،

زمین وآسمانوں کی دہکتی گرد میں لتھڑے خنک ہونٹوں سے یوں پیوست ہے، اب بھی (۱۴)

اس کے علاوہ مجید امجد کی دوسری نظموں ''ان سب لاکھوں کروں'' (ص۵۸۶)، ''برسوں عرصوں میں'' (ص۶۷۵) اور ''خوردبینوں پہ جھکی'' (ص۶۷۷) میں سائنسی زاویہ نظر سے زندگی، کائنات اور ارتقا کا مطالعہ کیا گیا ہے تاہم ان نظموں کو بیان کرنے میں جو شاعرانہ حسن درکار تھا اُسے بھی انھوں نے متاثر نہیں ہونے دیا۔

مجید امجد نے اپنی شاعری میں سائنس اور سائنسی شعور کو محض اتفاقیہ اپنا موضوع نہیں بنایا بلکہ اس موضوع پر ان کا مسلسل مطالعہ ان کی گہری دلچسپی کی خبر دیتا ہے۔ انہوں نے اس موضوع سے متعلق اپنے مطالعہ کو جس ہنرمندی سے اپنے تخلیقی تجربے کا حصہ بنایا ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا درست ہے کہ یہ موضوع اپنی فکری وسعت اور تہہ داری کے باعث مجید امجد کی نظموں کا اہم موضوع بنتا ہے۔ اسی طرح ان کی نامکمل کتاب ''فسانۂ آدم'' کا ابتدائی مسودہ بھی ایک اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد امین، ''مجید امجد کی مستقبل شناسی'' (مضمون) مشمولہ ادبیات، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۲۷۶

۲۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ''مجید امجد کا نظریہ کائنات'' مشمولہ ''چند اہم جدید شاعر'' (لاہور، سنگت پبلشرز۔ ۲۰۰۳ء) ص ۱۵۰

۳۔ ان مسودات کی تفصیل یہ ہے:

- مجید امجد کی سروس بک جس میں محکمہ فورڈ کا مکمل ریکارڈ ہے کہ وہ کب اور کہاں کہاں تعینات رہے۔
- مجید امجد کے دفتری کاموں کے حوالے سے نوٹ بکس، جن میں سنین کے اعتبار سے ان کے دفتری معمولات کا روزنامچہ درج ہے نیز خالی صفحات پر ان کے اہم شعرا کے حوالے سے نثری نوٹ بھی موجود ہیں۔
- تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل ایک کاپی، جس پر مختلف شعرا کا پسندیدہ کلام درج ہے۔
- ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نثری مضامین کے مسودات، جن میں سے اکثر شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً حاجی بشیر احمد بشیر، تخت سنگھ، مصطفیٰ زیدی وغیرہ پر لکھے گئے مضامین جبکہ ایک دو مضامین ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔
- مجید امجد کے نام ان کے دوستوں اور رشتہ داروں کے تقریباً چار سو سے زیادہ خطوط۔
- علم فلکیات پر ''فسانۂ آدم'' کے نام سے نامکمل ابتدائی مسودہ جن میں مختلف ڈائیگرام بھی شامل ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ''پیش لفظ، کلیاتِ مجید امجد'' (لاہور، ماورا۔ اوّل ۱۹۸۹ء) ص ۳۳

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے مندرجہ ذیل مسودات کی طرف اشارہ کیا تھا:

الف) مجید امجد کے کوائف زندگی

ب) ان کے فوٹو اور محکمے کے گروپ فوٹو

ج) جرمن سیاح لڑکی شالاط کے خطوط اور تصویروں والا لفافہ

د) احباب کے بعض خطوط

۵۔ مجید امجد، ''فسانۂ آدم''، (قلمی) ص ۵

۶۔ مجید امجد، ''فسانۂ آدم''، (قلمی) ص ۶

۷۔ مجید امجد، ''فسانۂ آدم''، (قلمی) ص ۱۵

۸۔ ڈاکٹر محمد امین، ''مجید امجد کی مستقبل شناسی'' (مضمون) مشمولہ ''ادبیات'' اسلام آباد، ص ۲۷۵

۹۔ ''۱۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر''، مشمولہ کلیاتِ مجید امجد، مرتبہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور، ماورا پبلی کیشنز، جنوری ۱۹۸۹ء ص ۱۲۲، ۱۲۳

۱۰۔ ''راتوں میں......''، مشمولہ کلیاتِ مجید امجد، ص ۱۹۳، ۱۹۴

۱۱۔ ''نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب''، مشمولہ کلیاتِ مجید امجد، ص ۲۵۳، ۲۵۴

۱۲۔ ''بس اسٹینڈ پر''، مشمولہ کلیاتِ مجید امجد، ص ۲۶۹

۱۳۔ ''مرے خدا مرے دل''، مشمولہ کلیاتِ مجید امجد، ص ۴۱۱

۱۴۔ ''دوام''، مشمولہ کلیاتِ مجید امجد، ص ۳۶۶